© rasailojaraid.com

مولانا محمد حنیف ندوی

ایک آیت

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (البقرة ۲۱۴)

کیا تم خیال کرتے ہو کہ یونہی بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی مشکلیں تو پیش آئی ہی نہیں۔ ان کو بڑی بڑی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ صعوبتوں میں ہلا ہلا دیے گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن جو ان کے ساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ کب خدا کی مدد آئے گی۔ دیکھو خدا کی مدد عنقریب آیا ہی چاہتی ہے۔

اس آیت میں دراصل تبلیغ و اشاعت دین کے اس نازک مرحلے کا ذکر ہے کہ جہاں پیغام و دعوت کی مخالفت میں ہر چہار طرف طوفان اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور اس پر ایمان لانے والوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ ایک عام انسان کے علاوہ خود داعی بھی بتقاضائے بشریت اس وقت پکار اٹھتا ہے کہ پروردگار تیری نصرت و اعانت کے وعدے کب پورے ہوں گے۔ اس مرحلہ آزمائش پر انھیں خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ گھبراؤ نہیں تمھیں اگر اللہ کی رضا سے بہرہ مند ہونا ہے اور اس مقام تک رسائی حاصل کرنا ہے، جسے قرآن کی اصطلاح میں جنت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو اس کے لیے حوصلہ، تدبیر اور شدید مقابلہ سے کام لینا ہوگا۔ تب کہیں جاکے رتبہ بلند ملے گا، اور کامیابی و کامرانی تمہارے قدم چومے گی۔ اس سے پہلے نہیں۔

قرآن اس سلسلہ میں دعوت و تبلیغ کی پوری حمایت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے اور اس حقیقت کو واشگاف انداز میں بیان کر دینا چاہتا ہے کہ جب بھی اللہ کے راستباز پیغمبروں نے انسانی اصلاح و ہدایت کا بیڑا اٹھایا، لوگوں نے آسانی سے ان کے پیغام کو نہیں سنا۔ بلکہ ان کی اور ان کے ماننے والوں کی سخت مخالفت کی ہے۔ انھیں ستایا ہے، ان کا مقابلہ کیا ہے۔ انھیں مارا اور موت کے گھاٹ اتارا ہے اور ابتلا و آزمائش کی منزلوں سے بسا اوقات ایسی بھیانک صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کرلی ہے کہ ماننے والے تو در کنار خود داعی اور پیغمبر کا دل لرز لرز گیا ہے اور وہ بھی ان سختیوں کے پیش نظر جناب باری سے استصواب کرنے پر بدیں الفاظ مجبور ہوئے ہیں کہ یا اللہ۔ ابتلا و آزمائش کی یہ سخت گھڑیاں کب ختم ہوں گی۔ اور تیری تائید و نصرت کے بادل کب برسیں گے۔

بات یہ ہے کہ دین جس کی اشاعت و فروغ کے لیے انبیاء تشریف لاتے رہے۔ آسان بات نہیں۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر یہ ایسی دعوتِ انقلاب ہے کہ جس کو تسلیم کر لینے سے ہر فرد اور معاشرہ کو اپنے مالوفات، اپنی خواہشات اور اپنی پسند و ناپسند کے جملہ معیاروں اور پیمانوں کو ترک کر کے زندگی کے نئے پیمانوں کو اپنانا پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نفس کے اندر اور باہر ہر معاشرہ میں ایک مستقل آویزش اور لڑائی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب تک فرد اور معاشرہ اس آویزش اور لڑائی میں سے سرخرو ہو کر نہیں نکلتا، دین کی برکات سے بہرہ مند نہیں ہو پاتا رضائے الٰہی کے نعمت سے مالا مال نہیں ہوتا اور اس مقام کا اپنے کو سزاوار ثابت نہیں کر سکتا۔ جس کا نام جنت ہے۔

دین انسانی زندگی میں ایک مکمل انقلاب اور ایک کامل تبدیلی چاہتا ہے۔ اس تبدیلی کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی انا کو ختم کر دے۔ اور اپنے اندر ان جمے اور گڑے ہوئے بتوں کو گرا دے جن کا تعلق اپنی ہی ذات کی پرستش سے ہے۔ اپنی ہی خواہشاتِ نفس کی بالادستی سے ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں اس وسیع تر اور ہمہ گیر عادلانہ نظام میں گم ہونے کی کوشش کرے۔ جو کہ ذہن کو نئی جلا اور نئی روشنی سے روشناس کرتی ہے۔ اسی طرح دینی تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ کے مخصوص مفادات سے دست بردار ہو جائے۔ اور اللہ سے یہ عہد کرے کہ اسے تہذیب و تمدن کو خیر و نیکی کے سانچوں میں ڈھالنا ہے۔ جمال، حق، اور ایمان کے موجود [illegible] کو ملحوظ رکھنا ہے اور ایسے نقشہ زندگی کو ترتیب دینا اور اس کو رائج کرنا ہے جس میں کہیں ظلم نظر نہ آئے۔ کہیں دھاندلی رونما نہ ہو اور کہیں جہل و تاریکی انسانی ارتقا کی راہ نہ روک سکے۔ یعنی انسانی معاشرہ کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ اگر وہ آسمانی جنت کی راحتوں اور آسائشوں سے مالا مال ہونا چاہتا ہے تو اس کے لیے خود ہمارے زمین پر ایسی جنت کی تعمیر کرے۔ جہاں دکھ، خوف، محرومی، ڈر، کا نام و نشان نہ رہے۔

© rasailojaraid.com

دین صرف خشک اور بے جان عقیدہ نہیں۔ صرف نظریہ کی تجریدی اور متکلمانہ بحثوں سے تعبیر نہیں

© rasailojaraid.com

صرف قول نہیں۔ دین ایک طرح کے ایمان کا نام ہے۔ یقین و افلاق کی ایک خاص کیفیت کو کہتے ہیں یعنی خاص اسلوبِ فکر، اور منہاجِ عمل کا متقاضی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دین کو اپنانے سے اگر انسان اپنے اندر کوئی ہلچل محسوس نہیں کرتا، کسی نفسیاتی اضطراب اور کشمکش کا سراغ نہیں پاتا۔ اور اس سے اس کے سوچنے کا انداز نہیں بدلتا، اور عمل و سیرت کے گوشے ایک خاص نکھار سے دوچار نہیں ہوتے، تو یہ دین نہیں کوئی اور چیز ہے۔

ظاہر ہے جب بھی کوئی شخص، یا معاشرہ دین کو ان معنوں میں اختیار کرے گا کہ یہ ایک دعوتِ انقلاب ہے، تو اپنے باطن اور معاشرہ میں اسے لامحالہ باطل قوتوں سے نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ اور اس کے نتیجے میں قدم قدم پر اس کو مخالفت، عناد، دشمنی اور جور و ستم کی شدتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور تربیت اور تزکیہ کے نقطۂ نظر سے آزمائش و ابتلا کی ان منزلوں سے گزرنا اس کے لئے ضروری بھی ہے کہ اس کے بغیر انسان کے اندر کی خوبیاں اور قلب و ضمیر کی پوشیدہ صلاحیتیں بروئے کار نہیں آپاتیں۔ مصائب کی برداشت سے صبر و ثبات کے جوہر نکھرتے ہیں۔ اور مقابلہ و تدبیر کی استعداد نمو حاصل کرتی ہے۔

اسلام اور دوسرے مذاہب میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ یہ عقیدہ و ایمان کی ضو فشانیوں کو چھپا کر رکھنے کا قائل نہیں ہے تبلیغ اور جہاد اس کے لائحہ عمل کے دو ضروری اجزا ہیں۔ اسلام جہاں فرد کی تکمیل و اصلاح کی اہمیتوں کا قائل ہے اور اسے صحت مند معاشرہ کی تعمیر کے سلسلہ میں بنیادی اینٹ کی حیثیت دیتا ہے۔ وہاں اس حقیقت سے بھی پوری طرح آگاہ ہے کہ اجتماعی اصلاح کے بغیر فرد ہمیشہ خطرات میں گھرا رہتا ہے۔ صحت مند معاشرہ اس بات کا ضامن ہوتا ہے کہ وہ ایسی تدابیر اختیار کرے۔ اس طرح قانون و روایت کو ترتیب دے اور اس انداز و اسلوب کی زندگی کی طرح ڈالے کہ جس سے فرد کا ذہن و کردار نہ صرف اس سے پوری طرح متاثر ہو، بلکہ عقل و دانش کی راہوں پر گامزن رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام اس حقیقت سے بھی آشنا ہے کہ دعوت و تبلیغ اور اجتماعی اصلاح و تزکیہ میں ایسی منزلوں کا پیش آنا ناگزیر ہے جب جہاد کے تقاضے اُبھرتے ہیں۔ جب حق کی مخالف قوتوں کو کچل دینا ضروری ہوتا ہے۔ جب انسانی فلاح و بہبود کی خاطر اور انسانی ضمیر کی آزادی کے لیے تلوار اٹھانا، لڑنا، اور اس کی راہ میں کٹ مرنا بہترین عبادت قرار پاتا ہے۔ دعوت و ارشاد کا یہی وہ مقام ہے۔ حضرت مسیح ایسے امن کے پیغمبر تھے کہ جدال و قتال ہی کو دین کا مسلک ماننے کے لیے ہی نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تلوار چلانے کے لیے آیا ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ حق اور سچائی کی تبلیغ و اشاعت چاہے کتنی ہی معقول اور شائستہ ہو۔ اس میں ایسے موڑ آتے ہیں جہاں انسان اپنے کو اس دوراہے پر کھڑا پاتا ہے کہ یا تو حق پر جما رہے۔ اور یا بزدلی سے باطل کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

دین کے بارہ میں اسی تصور کے پیش نظر قرآن حکیم جا بجا تبلیغ و جہاد کی اہمیتوں پر زور دیتا ہے اور فرد و معاشرہ کو مکلف گردانتا ہے کہ تبلیغ و جہاد کے اس عمل کو اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک گمراہی اور ضلالت کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اور معاشرہ فکر و نظر کے اس نہج و اسلوب کو اپنا نہیں لیتا، جو اس کی فلاح و بہبود اور ارتقا کا بہترین ضامن ہے۔ سورۃ مائدہ میں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (۶۶)

اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوتے ہیں سب کو لوگوں تک پہنچا دو۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے۔

سورۃ حجر میں ہے:۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (۹۴)

پس جو حکم تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے وہ لوگوں کو سنا دو اور مشرکوں کی مخالفت کا ذرا خیال نہ کرو۔

سورۃ توبہ میں ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ (۷۲)

اے پیغمبر کفار سے لڑو۔

سورۃ بقرہ میں ہے:۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (۱۹۳)

اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو کہ فساد نابود ہو جائے اور اللہ کے دین ہی کی حکمرانی باقی رہ جائے۔

یہاں اس نکتہ کو ہمیشہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ تبلیغ و جہاد کا یہ عمل تخریبی نوعیت کا حامل نہیں بلکہ یکسر تعمیری ہے اور ہر صحت مند معاشرہ میں اس کا جاری رہنا اس کی ضرورت ہے۔

© rasailojaraid.com